حضرت مجدد الف ثانیؒ کے کلامی افکار

ڈاکٹر محمد رمضان ڈاکٹر ظہور اللہ الاہزری

Abstruct

Hazrat mujaddid alaf thani is a 10th centurie's great reformer and theologion of islam. He was born in sirhind a famous city of subcontinent india. He competed all the bumbles and apostasy by extreme wisdom. He solved several theological problems by which scholars of the same field in every era were confused. There was a great confliction in the concept of monoism so that the foundations of muslim nation that were reliance upon it were weakend instead of strengthened. He presented true interpretation of "wahdat ul wujood" and proffer a new and abstemious thought "wahdat ul shuhood."

Denomination and epithets of almighty allah he demonstrates a healthy thouht that the very of allah has possess epithets those are not a part of his very and nor apart from that, but they are upright with it. He also presented a notable solution about the issues of epithets some of which is demonstrated in this article like kalaam ilm, irada and takween etc. He discused the concept of "royat e bari taala" that the believers could see there creater with there eyes physically. In those days one of the burning essues was ascertainment of prophethood because the love with nabi was the great asset of muslim ummah and hole paganism was trying to weaken it. So hazrat mujaddid accept this challange and effaced all the objections niecely. He had highlighted the need and necessity of prophethood by his wise evidences and solid arguments those had not presented before him .

Keywords:*Mujadid, Theological Problems, Prophrthood.*

اللہ تعالیٰ نے اس کائناتِ رنگ و بو کو تخلیق فرمایا تو اسے آباد کرنے کے لیے جناب آدم علیہ السلام کو تاج کرامت پہنا کر اور اپنا خلیفہ و نائب بنا کر بھیجا، شیطان اور انسان میں ازلی عداوت کے نتیجے میں اولاد آدم میں باطل عقائد و نظریات اور افعال و اعمال کا در آنا ایک بدیہی امر ہے اور تاریخ انسانی میں نفس اور شیطان کی شرارتوں کے نتیجے میں ایسا ہوتا آیا ہے۔ایسی صورت میں اصلاح کے لیے انبیاء کو مبعوث کیا جاتا لیکن جب ختم نبوت کا تاج پہنا کر اللہ رب العزت نے حضرت محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا تو آپ کے بعد یہ ذمہ داری علماء کو سونپ دی گئی کہ وہ امت کی رہنمائی اور رشد و ہدایت کا فرضہ سرانجام دیں اور بھٹکی ہوئی انسانیت کو راہِ راست پر لائیں پھر انہیں میں سے بعض کو تجدید دین کا کار عظیم تفویض کیا گیا۔جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ان اللہ یبعث لھذہ الامۃ علی راس کل مائۃ سنۃ من یجدد لھا دینھا[1]

”بے شک اللہ تعالی اس امت کے لیے ہر صدی کے شروع میں کسی ایسے شخص کو مبعوث فرمائیگا جو دین کی تجدید کرے گا۔“

مرورِ زمانہ کے ساتھ کئی انقلاب آئے اور کئی دفعہ اسلام کی روشن تعلیمات کو مسخ کرنے کی مذموم کوششیں کی گئیں مگر ہر دور میں

تقدیرِالٰہی فریبِ ابلیس پہ غالب آئی، علماء ربانیین اور مجددینِ ملت نے ہر فتنے کی سرکوبی نہایت اخلاص اور جانفشانی سے کی۔تاآنکہ دسویں صدی ہجری میں برصغیر کی سرزمین پر بہت سی گمراہ اور باطل تحریکات منظر عام پر آئیں، جن کی وجہ سے اسلامی اعتقادات سے متعلق کئی انحرافی رویوں نے جنم لیا۔ان تحریکات کی سرپرستی مغل بادشاہ جلال الدین اکبر(دور حکومت963ھ۔1014ھ/1556ء۔1605ء)کر رہا تھا۔اس عہدِ پرآشوب میں توحید، نبوت، معجزات، وحی، ملائکہ، دیدارالٰہی، انسان کا مکلف ہونا، تقدیر، تخلیق کائنات، حشر ونشر اور روح کی حقیقت سے متعلق اسلامی عقائد کے حوالہ سے شکوک و شبہات پیدا کئے جا رہے تھے۔قرآن مجید، تفسیر، حدیث، فقہ، تصوف اور دیگر اسلامی اقدار کو ہدفِ تنقید بنایا جارہا تھا۔ نظریہ وحدۃالوجود کی غلط تعبیرات کے ذریعے رحمن اور رام، مسجد اور مندر، کعبہ اور کلیسا، مومن اور مشرک میں امتیاز ختم کرنے کی بھرپور کوششیں کی جا رہی تھیں۔کلمہ طیبہ کے الفاظ بدل دیئے گئے، قرآن مجید کو وحی الٰہی کے بجائے حضورﷺ کی تصنیف قرار دیا گیا۔ نماز، روزہ، زکوۃ، حج اور غسلِ جنابت کے احکام کو منسوخ قرار دیا گیا۔دینی شعار کی توہین کی جاتی، بادشاہ کو سجدہ کیا جاتا اور اسکے لئے وہ القابات استعمال کئے جاتے جو صرف کسی نبی کے شایان شان ہو سکتے ہیں۔یوں دبے لفظوں میں اکبر کو نبی کی حیثیت سے پیش کیا جاتا۔ایسے اقدامات کئے جاتے جن سے نبوت محمدی کی تحقیر ہوتی ہو، کسی عالم کی مجال نہ تھی کہ جناب رسالت مآبﷺ کا نام خطبے میں لیتا علاوہ ازیں معراج النبی اور شق القمر جیسے معجزات کا مذاق اڑایا جاتا۔حضور کی نبوت کو ہزار سال تک محدود قرار دیا گیا گویا عقیدہ ختم نبوت سے بھی اعتماد اٹھ گیا۔ نبوت سے متعلق مسلمہ عقائد کو تقلیدیات یعنی حماقت کا نام دیا گیا۔[2]

اسلامی عقائد و نظریات میں انحراف اور شرک وبدعت کی آمیزش کا بنیادی سبب یہ تصور تھا کہ دین کی تعبیر و تشریح ادلّہ شرعیہ یعنی قرآن، حدیث، اجماع اور اجتہاد کے بجائے عقل کے قائم کردہ معیارات پر مبنی ہے۔لہٰذا ضرورت اس امر کی تھی کہ دینِ مصطفی کی حفاظت کی جائے اور عقائد کے اثبات کے لئے نصوصِ شرعیہ کے ساتھ ساتھ دلائلِ عقلیہ سے کام لیا جائے۔جدید علم الکلام کی روشنی میں کفرو اسلام اور سنت وبدعت کے درمیان امتیاز کو واضح کر دیا جائے۔چنانچہ اس نصب العین کے حصول کے لئے حضرت مجدد الف ثانیؒ(971ھ۔1034ھ/1563ء۔1624ء)میدانِ عمل میں آئے۔آپ نے کفروالحاد، صوفیانہ خرافات اور انحرافی نظریات کے خلاف ایک زبردست تحریک کا آغاز کیا اور ہوا کا رخ بدل کر رکھ دیا۔آپ نے علمِ کلام سے متعلق صدیوں پرانی الجھنوں کو دور کیا، عقلی و نقلی دلائل سے اسلام کا دِفاع کیا اور شکوک وشبہات دور کر کے مسلمانوں کو گمراہ ہونے سے بچا لیا۔حضرت مجدد الف ثانی نے یہ عظیم کام اپنے مریدین، علماء اور بادشاہ کے درباریوں کے نام مکتوبات کے ذریعے انجام دیا۔[3]

نیز اپنے موقف کی وضاحت کے لئے رسالہ فی اثباۃالنبوۃ، رسالہ تہلیلیہ، شرح رباعیات، ردِروافض، مبدأو معاد اور معارف لدنیہ ایسی تصانیف مرتب کیں جن کی دینی و سماجی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔یہ کتب آپؒ کے افکار پر بنیادی اور اہم معلومات فراہم کرنے کے علاوہ مسلم برصغیر کے کلامی مباحث، سرگرم دینی زندگی اور اسلامی افکار و نظریات کی تاریخ کو سمجھنے کے لئے ایک اساس کا کام دیتی ہیں۔حضرت مجددؒ کے کلامی افکار کے علمی وفکری اثرات بلاواسطہ یابالواسطہ طور پر باقی اسلامی دنیاپر بھی محسوس کیے جاسکتے ہیں۔

آپ 14 شوال971ھ بمطابق 26 مئی 1564ء بروز جمعہ بھارتی پنجاب کے شہر سرہند، جو آپ کے جد اعلیٰ امام رفیع الدین کے دور میں آباد ہوا تھا، میں پیدا ہوئے، آپ کا اسم گرامی احمد، لقب امام ربانی اور منصب مجدد الف ثانی تھا، مذہباً حنفی، مسلکاً نقشبندی اور نسباً

فاروقی تھے۔ سلسلہ نسب ستائیس واسطوں سے حضرت عمر فاروقؓ سے ملتاہے۔[4] ابتدائی تعلیم اپنے والد شیخ عبدالاحد (927ھ/1521ء) سے حاصل کی اور مختصر عرصہ میں قرآن مجید بھی حفظ کر لیا،اس کے بعد سیالکوٹ کے مشہور عالم مولانا کمال کشمیری (م 1017ھ/1608ء) سے منطق، فلسفہ اور علم الکلام کی تعلیم حاصل کی، صحیح بخاری کے شارح شیخ یعقوب صرفی (م1003ھ/1594ء) سے حدیث اور قاضی بہلول بدخشانی سے تفسیر کی امہات کتب پڑھیں، سترہ سال کی عمر میں تحصیل علوم کے بعد وطن واپس ہوئے۔[5]

آپ مختلف سلاسل طریقت سے اجازت وخلافت سے سرفراز تھے۔ سلسلہ سہروردیہ میں حضرت شیخ یعقوب کشمیری، سلسلہ چشتیہ میں اپنے والد شیخ عبدالاحد، سلسلہ قادریہ میں شاہ سکندر کیتھلی اور سلسلہ نقشبندیہ میں خواجہ باقی باللہ سے فیض یافتہ تھے۔آپ اس سلسلہ فیض کو یوں بیان فرمایا کرتے تھے۔ "مجھے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کئی واسطوں سے ارادت ہے طریقہ نقشبندیہ میں اکیس واسطوں سے طریقہ قادریہ میں پچیس اور طریقہ چشتیہ میں ستائیس واسطوں سے"۔[6] فارغ التحصیل ہونے کے بعد آپ نے درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا،آپ کا ذوق حدیث اور تفسیر میں زیادہ تھا اس لئے آپ نے دن رات حلقہ حدیث و تفسیر میں درس وتدریس کا مشغلہ جاری رکھا۔ علماء کا ایک انبوہ کثیر آپ سے اسناد حدیث لینے کے لئے بے تاب رہا کرتا اور سند حدیث ملنے پر فخر وانبساط کا اظہار کرتا۔[7]

امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی نے اپنے حین حیات اصلاح عوام و فلاح انسانیت کے لئے عموماً جبکہ مسلمانوں کے لئے خصوصاً کتب تحریر فرمائیں۔ جو معرفت و تجلیات کے انوار اور شریعت وطریقت کے اسرار سے لبریز اور علم وحکمت کے خزینہ اور کشف وکرامات کے گنجینہ سے معمور ہیں۔ان کتب کا اجمالی تعارف یہ ہے:

1۔ اثبات النبوۃ (یہ کتاب نبوت کے اثبات میں ہے۔ منکرین نبوت کے نظریات کا احسن طریقے سے رد کیا گیا ہے)

2۔ رسالہ تہلیلیہ (اس رسالہ میں کلمہ طیبہ عوارف بیان کیے گئے ہیں)

3۔ شرح رباعیات (رباعیات خواجہ باقی باللہ کی شرح)

4۔ ردروافض (عقائد شیعہ کے رد میں)

5۔ مبداو معاد (تصوف پر آپ کا معروف رسالہ)

6۔ معارف لدنیہ (تصوف کے بارے میں معروف رسالہ)

7۔ مکاشفات عینیہ (مکاشفات پر آپ کا معروف رسالہ)

8۔ مکتوبات امام ربانی (مشہور زمانہ مکتوبات جو آپ نے علماء صوفیاء اور حکام وقت کو ان کی اصلاح کے لیے لکھے اور جو برصغیر میں اسلامی انقلاب کا باعث بنے)

9۔ آداب المریدین

10۔ تعلیقات عوارف

11۔ رسالہ خواجگان نقشبند

12۔ رسالہ علم حدیث

17 ذی الحج 1033ء کو خلوت نشینی کے سات ماہ بعد آپ کو ضیق النفس کا دورہ پڑا، نماز فجر کی ادائیگی کے بعد سانس میں تیزی ہوئی تو فرمایا: "دو رکعت نماز جو ہم نے پڑھی ہے وہ کافی ہے" اس کے بعد کوئی بات نہیں کی اور "اللہ اللہ" کہتے ہوئے آپ کا وصال ہو گیا۔ 28 صفر بروز منگل 1034ء تریسٹھ برس کی عمر میں اشراق کے وقت آپ واصل باللہ ہوئے۔ آپ کی قبر سرہند شریف میں ہے۔[8]

حضرت مجدد الف ثانیؒ کا علم الکلام میں منہج یہ ہے کہ آپ امام ابو منصور ماتریدی کے مؤقف کو بہتر سمجھتے ہیں اور ان کا ہی اتباع کرتے ہیں۔ جیسا کہ آپ کا قول ہے:

درمیان علمائے اہل سنت طریق اصحاب شیخ الاسلام ابو منصور ماتریدی چہ زیبا است کہ اقتصار بر مقاصد فرمودہ اند و اعراض از تدقیقات فلسفہ نمودہ طریق نظر و استدلال بطریقِ فلسفی درمیان علمائے اہل سنت و جماعت از شیخ ابوالحسن اشعری ناشی شدہ است و خواستہ کہ معتقداتِ اہل سنت را با استدلالِ فلسفی تمام سازد، و ایں دشوار است، و دلیر ساختن است مر مخالفاں را بر طعن اکابرِ دین، و گذاشتن است طریق سلف را[9]

"علمائے اہل سنت میں شیخ الاسلام ابو منصور ماتریدی کا طریقہ کس قدر موزوں اور مناسب ہے کہ انھوں نے صرف مقاصد کو بیان کرنے پر اکتفا فرمایا ہے اور فلسفیانہ باریک بینیوں سے صرف نظر فرمایا ہے۔ فلسفیانہ انداز پر نظر و استدلال کا طریقہ علمائے اہل سنت میں شیخ ابوالحسن اشعری سے شروع ہوا ہے۔ ان کی یہ خواہش رہی ہے کہ اہل سنت کے اعتقادات کو فلسفیانہ استدلال سے تکمیل تک پہنچا دیں اور یہ بات بڑی دشوار ہے اور خصوصیت کے ساتھ مخالفین کو دلیر بنانا ہے کہ وہ اکابرین دین پر زبان طعن دراز کریں اور اس کے ساتھ ساتھ سلف کے طریقہ کو بھی چھوڑنا ہے۔"

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ اہلسنت کے عقائد میں آئمہ ثلاثہ: امام ابو منصور ماتریدیؒ، امام ابوالحسن اشعریؒ اور امام احمد بن حنبلؒ میں سے امام ابو منصور ماتریدیؒ کے مسلک پر ہیں، انھیں کے مؤقف کو صائب قرار دیتے ہیں اور اپنے عقائد کی بنیاد کتاب وسنت پر رکھتے ہیں۔ جبکہ فلسفیانہ اطوار و استدلال سے حتی الوسع اجتناب کرتے ہیں۔ نیز بعض کلامی مسائل میں اپنی ذاتی اجتہادی رائے رکھتے ہیں۔

اگرچہ عقائد میں آپ امام ابو منصور ماتریدی کے مسلک پر ہیں مگر آپ درجہء اجتہاد پر بھی فائز ہیں۔ اپنا ایک مکاشفہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ مجھے نبی کریم ﷺ نے فرمایا "تو از مجتہدان علم کلامی"[10] یعنی تو علم الکلام کے مجتہدین میں سے ہے۔ تب سے آپ مسائل کلامیہ میں تقلید و تخمین کے لحاظ سے نہیں بلکہ الہام وفراست کی بناپر قرآن وسنت کی روشنی میں ایک خاص رائے رکھتے ہیں، جس کا بین ثبوت آپ کے مکتوبات ورسائل میں جابجا مسائل کلامیہ کا تذکرہ ہے۔ خصوصا رسالہ "کثیر البرکات" جس کے متعلق عالم رویئت میں دیکھا گیا کہ رسول اللہ ﷺ مشائخ امت کی ایک بہت بڑی جماعت میں اپنے دست اقدس میں لیے ہوئے ہیں اور انھیں دکھاتے ہوئے فرما رہے ہیں:

ایں نوع معتقدات می باید حاصل کرد[11]

"اس قسم کے عقائد حاصل کرنے چاہئیں۔"

آپ کے اجتہادی کارناموں کی ایک مثال یہ ہے کہ شاہق الجبل یعنی پہاڑ کی چوٹی پر رہنے والے پرستاران اصنام جن تک دعوت نبوت نہیں پہنچی ان کے انجام کے متعلق علماء متکلمین کا اختلاف ہے اشاعرہ کا مؤقف ہے کہ وہ دائمی جنتی ہیں اور دلیل کے طور پر یہ آیت پیش

کرتے ہیں:

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّى نَبْعَثَ رَسُولً[12]

"اور ہم کسی قوم کو عذاب نہیں دیتے حتی کہ ان میں اپنا رسول بھیج دیں۔"

ماتریدیہ کہتے ہیں کہ وہ دائمی جہنمی ہیں کیونکہ انھوں نے شرک کیا ہے اور مشرک جہنمی ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِنَّهُ مَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوَاهُ النَّارُ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ[13]

سے عیاں ہے۔حضرت ابن عربی کہتے ہیں کہ بروز قیامت کسی پیغمبر کو ایسے لوگوں کی طرف مبعوث کیا جائے گا جو انھیں دعوت حق دے گا، جو اس دعوت کو قبول کرلیں گے انھیں جنت میں داخل کردیا جائے گا اور جو انکار کریں گے انھیں جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔[14]

اس مسئلہ میں حضرت مجدد الف ثانیؒ اپنا اجتہاد پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

نزد ایں فقیر مستحسن نیست، چہ آخرت دار جزاء است نہ دار تکلیف تا بعثت پیغمبرے نمودہ آید بعد از مدت مدید عنایت خداوندی جل سلطانہ رہنمونی فرمود و حل ایں معمارا نمودہ منکشف ساخت کہ ایں جماعت نہ در بہشت مخلف خواہند بود نہ در دوزخ بلکہ بعد از بعثت واحیائے اخروی ایشاں را در مقام حساب داشتہ باندازہ جریمہ معاتب ومعذب خواہند ساخت واستیفائے حقوق نمودہ در رنگ حیوانات غیر مکلف ایشاں را نیز معدوم مطلق ولاشئے محض خواہند فرمود[15]

"کہ اس فقیر کے نزدیک یہ مطابقت مستحسن نہیں کیونکہ آخرت دار جزاء ہے نہ کہ دار تکلیف تا کہ کسی پیغمبر کو ان کی طرف مبعوث کیا جائے مدت مدید کے بعد عنائت خداوندی جل سلطانہ نے راہنمائی فرمائی اور اس معمہ کا حل منکشف فرمایا کہ یہ جماعت نہ بہشت ہیں رہے گی نہ دوزخ میں بلکہ دوبارہ زندہ کرنے کے بعد ان کا حساب ہوگا اور حقوق العباد کے متعلق ان کے گناہوں کے مطابق انھیں عذاب وعتاب ہوگا۔اس کے بعد انھیں غیر مکلف حیوانات کی مانند معدوم مطلق اور لاشئ کردیا جائے گا۔"

وحدت الوجود اور وحدت الشہود

کلامی مباحث میں آپ کی مشہور ومعروف اور معرکۃ الآراء بحث توحید وجودی اور توحید شہودی کے متعلق ہے جسے وحدت الوجود اور وحدت الشہود بھی کہتے ہیں۔توحید شہودی ایک ذات کو دیکھنا ہے یعنی سالک کا مشہود صرف ایک ہی ذات ہو اور توحید وجودی ایک ذات کو موجود جاننا اور اس کے غیر کو معدوم خیال کرنا ہے پس توحید وجودی علم الیقین اور توحید شہودی عین الیقین کے قبیل سے ہے۔[16]

یہ دونوں نظریات عرصہء دراز سے صوفیاء کے نزدیک مختلف فیہ چلے آرہے تھے۔شیخ اکبر محی الدین ابن عربی نے نظریہ وحدت الوجود کو خوب ترقی دی اور اپنی تصانیف میں جا بجا اسے بیان فرمایا،آپ کے شاگردوں نے اس کی خوب ترویج واشاعت کی اور اس کی تشریحات وتوضیحات میں بہت کچھ لکھا۔عالم اسلام میں اس نظریے کو خوب پزیرائی ملی مگر صوفیائے خام نے اس نظریے کو ایک نیا رنگ دیا اور کہا کہ توحید کا مطلب ہے:"ہمہ اوست" یعنی ہر چیز اللہ ہے اس

طرح انھوں نے مخلوق خداکو توحید کے خوشنماالفاظ کی آڑمیں دانستہ یانادانستہ طورپر گمراہ کیااور بڑے بڑے جید علماء وصوفیاء نےاس میں ٹھوکریں کھائیں۔مگر بالآخراللہ تعالی کواپنے محبوب کی امت پر رحم آہی گیااوراس مدبروتوانا،حکیم ودانانے برصغیر کے مسلمانوں کی ڈولتی ہوئی کشتی کنارے لگانے کے لیےایک ایسی شخصیت کاانتخاب کیاجسےلوگ مجدد الف ثانی کےلقب سے یاد کرتے ہیں۔آپ نے فرمایا:"ہمہ اوست" نہیں بلکہ "ہمہ ازاوست"[17] یعنی ہر شے خدانہیں بلکہ ہر شئےاس کے فضل وکرم سے قائم ہے۔اس واحد حقیقی کے سواکوئی چیز موجود نہیں اورممکنات خارج میں وجود ظلی کے ساتھ موجود ہیں۔[18]

یہ بات یادرکھیں کہ نظریہ وحدت الشہودکی ترویج واشاعت حضرت مجددالف ثانی نے کی ہےنہ کہ ایجاد کیونکہ آپ سےپہلے دور کے صوفیاء کرام میں بھی اس نظریہ کا ثبوت ملتا ہے۔جیساکہ آپ خودفرماتےہیں:

کتب حقائق ومعارف علی الخصوص سخنان توحید وتنزلات مراتب نمی تواند مطالعہ کردخوددراین باب بحضرت شیخ علاؤالدولہ بسیار مناسب میی ابدودرذوق وحال درین مسئلہ بشیخ مشارالیہ متفق است[19]

"یعنی میں نے حقائق ومعارف اور خصوصاتوحید وتنزلات مراتب پر مشتمل کتابوں کامطالعہ کیالیکن مجھےاپنےخیالات کی شیخ علاؤالدولہ سمنانی(م736ھ)[20] سےزیادہ مناسبت معلوم ہوتی ہےاوروہ اس مسئلہ(توحید شہودی) میں اپنےذوق وحال کے مطابق شیخ سمنانی سے متفق ہیں۔"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نظریہ وحدت الوجود کے موجد نہیں ترجمانی اور ترویج واشاعت کرنے والے ہیں۔آپ نےتوحید وجودی کوتنگ کوچہ اورتوحید شہودی کو کھلی شاہراہ قراردیاہے۔[21] آپ نےکئی مکتوبات میں ان علماء ومشائخ پراظہارافسوس کیاہےجواس ظلمت کےدورمیں ترویج شریعت میں کوشاں رہنےکی بجائےشب وروز ابن عربی کی کتب پڑھنےپڑھانےاوران کی شروح لکھنےمیں مستغرق تھے۔دراصل انھوں نے شیخ کے نظریہ وحدۃ الوجودکی ایسی تشریحات وتوجیہات کیں کہ وحدت الوجود اوروحدت ادیان میں کوئی فاصلہ نہ رہ گیا۔[22]

آپ کے شیخ حضرت خواجہ باقی باللہ دہلوی بھی آپ کی وساطت سےتوحید شہودی کےمقام رفیع پر فائزہوئےاوربوقت رحلت انھوں نےاس نظریےکی تائیدکرتےہوئےفرمایا:

مارابہ یقین معلوم شدہ است کہ توحید کوچہء تنگ است شاہراہ دیگراست۔[23]

"ہمیں یقین کے ساتھ معلوم ہوگیا ہے کہ توحید(وجودی)ایک تنگ کوچہ ہےشاہراہ کوئی اور ہی ہے۔"

اس قول کونقل کرنےکےبعد آپ فرماتےہیں کہ اس طرح کی توحید،توحید کی اعلی ترین قسم ہےچنانچہ آپ نےتوحید شہودی کو توحید کی اعلی ترین قسم قراردیاہے۔

مسئلہ رؤیت باری تعالیٰ

یہ مسئلہ علم الکلام کےمعرکۃ الآراء مسائل میں سےایک ہےجس کےمتعلق علمائےمتکلمین اورمعتزلہ کا اختلاف ہے۔معتزلہ رؤیت باری تعالی کےانکاروامتناع کے قائل ہیں جبکہ علمائےمتکلمین اہلسنت کےہاں یہ مسئلہ ثابت ہے۔جیساکہ

شرح عقائد نسفی میں ہے:

فیری لافی مکان ولا علی جهة من مقابلة او اتصال شعاع او ثبوت مسافة بين المرئی و بين الله تعالیٰ[۲۴]

''رویئت باری تعالی ہوگی مگر مکان، جہت، مقابلہ، اتصال شعاع اور رائی ومرئی کے درمیان ثبوت مسافت کے بغیر۔''

اس دنیا میں رویئت کے نہ ہونے کے متعلق علامہ تورپشتی لکھتے ہیں:

رویئت در دنیا خلاف نیست میان علمائے اسلام کہ رویئت در دنیا نخواہد بودن[25]

یعنی رویئت باری تعالی کے مسئلے میں علمائے اسلام کے مابین کوئی اختلاف نہیں کہ دنیامیں اللہ تعالی کی رویئت نہیں ہوتی۔

حضرت مجدد الف ثانی اس مسئلہ میں متکلمین اہل سنت کے مسلک پر ہیں چنانچہ آپ لکھتے ہیں کہ تعجب ہے کہ وہ لوگ جو رویئت باری تعالی پر ایمان نہیں رکھتے وہ کس طرح اس سعادت سے بہرہ مند ہونگے کیونکہ منکرین کے نصیب میں تو محرومی ہے اور یہ بھی عجیب ہے کہ مؤمن جنت میں ہوں اورانھیں دیدار نہ کرایاجائے کیونکہ شریعت مطہرہ سے جوکچھ ظاہر ہوتاہے وہ یہی ہے کہ تمام اہل بہشت کودولت دیدار حاصل ہوگی اور یہ کہیں نہیں آیاکہ بعض کودیدار ہوگااور بعض کونہیں۔ جانناچاہیے کہ بہشت اورماسوائے بہشت سب حق تعالی کے نزدیک برابر ہیں کیونکہ سب اسی کی ہی مخلوق ہیں اوروہ کسی چیز میں بھی حلول و تمکن کیے ہوئے نہیں لیکن بعض مخلوقات کوحق تعالی کے انوار کے ظہور کی قدرت ہے اور بعض کونہیں جس طرح کہ آئینہ صورتوں کے ظہور کی قابلیت رکھتاہے پتھر نہیں۔ پس اللہ تعالی کی طرف سے نسبت مساوات کے باوجودفرق اسی کی طرف سے ہے۔[26]

ذات و صفات باری تعالیٰ

حضرت حق تعالیٰ سبحانہ نفس وجوداورتمام کمالات جوکہ وجودکے تابع ہیں جیسے حیات، علم، قدرت، سمع، بصر، ارادہ، کلام اور تکوین میں خودبذات اقدس کافی ہے اوران کمالات کے حصول میں وہ صفات زائدہ کا محتاج نہیں اگرچہ صفات کاملہ زائدہ بھی حق سبحانہ کیلئے ثابت ہیں۔ پس حق تعالی جس طرح اپنی ذات پاک سے خود موجود ہے نہ کہ وجود سے اسی طرح بذات خود زندہ ہے نہ کہ اپنی صفت حیات کے ساتھ بذات خود دانا ہے نہ کہ صفت علم کے ساتھ بذات خودبینا ہے نہ کہ صفت بصر کے ساتھ بذات خود شنوا ہے نہ کہ صفت سمع کے ساتھ بذات خود توانا ہے نہ کہ صفت قدرت کے ساتھ بذات خود مرید ہے نہ کہ صفت ارادہ کے ساتھ بذات خود گویا ہے نہ کہ صفت کلام کے ساتھ بذات خود ایجاد کائنات کا موجد ہے نہ کہ صفت تکوین کے ساتھ، اگرچہ وجود عالم صفت تکوین اور باقی صفات کی وساطت سے ہے۔[27]

حضرت امام ربانی ایک مقام پر یوں رقمطراز ہیں: حضرت حق سبحانہ وتعالی بذات خود موجود ہے نہ کہ وجود کے ساتھ، وہ وجود خواہ عین ذات ہو یا زائد از ذات اورصفات واجب تعالی اس کی ذات تعالیٰ کے ساتھ موجود ہیں نہ کہ وجود کے ساتھ کیونکہ وجود کی اس مقام میں گنجائش نہیں ہے۔ حضرت شیخ علائو الدولہ رحمۃاللہ علیہ نےاسی مقام کی طرف اشارہ کرتےہوئےفرمایا: ''فوق عالم الوجود عالم الملک الودود۔'' یعنی مالک ودود تعالی کا عالم، عالم وجود سے بالا

ہے۔پس امکان ووجوب کی نسبت بھی اس مقام میں متصور نہیں کیونکہ امکا ن و وجوب،ماہیت ووجود کے درمیان نسبت کا نام ہے فللذا جب وجود ہی نہیں تو امکان ووجوب بھی نہیں ایں معرفت ورائے طور نظر وفکراست۔[28]

یہاں ایک مثال پیش کرتاہوں کہ جو پتھر خوداپنے طبعی تقاضے سےاوپر سے نیچے کی طرف آتا ہے۔اس کی ذات ہی،علم،قدرت اورارادہ کاکام کرلیتی ہے بغیراس کے کہ اس میں علم،قدرت اورارادہ کی صفتیں پائی جائیں۔یعنی علم کاتقاضایہ ہے کہ پتھر ثقیل ہونے کی وجہ سے نیچے کی طرف متوجہ ہو،اوراوپر کی طرف متوجہ نہ ہو۔ارادہ،علم کے تابع ہے۔ارادے کاتقاضایہ ہے کہ وہ نیچے کی جانب کو ترجیح دے اور حرکت،مقتضائے قدرت ہے پس پتھر کی اپنی طبیعت خودان تینوں صفتوں کا کام بغیران صفات کا لحاظ کئے ہوئے کرلیتی ہے۔

لہٰذا واجب تعالیٰ میں،وللہ المثل الاعلی(اوراللہ تعالیٰ کیلئےتوبلند ترین مثال ہونا ثابت ہے) اس کی ذات بھی اسی طرح تمام صفات کاکام کرلیتی ہےاوران امور کے مترتب ہونے میں اسےصفات کی کوئی احتیاج لاحق نہیں ہوتی۔لیکن انکشاف،تاثیراور تخصیص مثلاً علم،قدرت اورارادہ کی صفت پر مترتب ہوتےہیں۔وہ دانا ہے علم کے ساتھ،نہ کہ ذات کے ساتھ۔وہ مؤثر ہے،قدرت کے ساتھ،مخصص ہےارادہ کےساتھ۔اگرچہ یہ بات ہے کہ جو کچھ ان صفات کے ساتھ کیا جانا چاہیئے،ذات،حق جل شانہ ہی اس میں کافی ہےلیکن یہ معانی،صفات پر ہی مترتب ہیں۔ذات کوبغیران معانی کے پائے جانے کے عالم،قادراور صاحب ارادہ نہیں کہہ سکتے۔مثال کے طورپر،اسی پتھر میں اگر علم،قدرت اورارادہ کی صفت کو وجودبخش دیں تواس پتھر کو صاحبِ علم،صاحبِ قدرت اورصاحبِ ارادہ کہہ سکتےہیں،لیکن ان زائد معانی کےوجود کے بغیروہ ان صفات کےساتھ متصف نہیں ہوتااگرچہ وہ خودہی ان صفات کا کام کرلیتاہے۔اوراس میں بھی شبہ نہیں ہے کہ اس میں ان معانی کا وجود اس کے کمال کا باعث ہے۔

لہٰذا واجب تعالیٰ میں بھی اگرچہ ذات عز سلطانہ ہی ان تمام اشیاء میں جو صفات پر مترتب ہوتی ہیں کافی ہے۔لیکن خود ان معانی کاملہ کے ثبوت میں صفات درکارہیں۔اور ذاتِ حق عزشانہ ان معانی کے پائے جانےسے،صفاتِ کمال کےساتھ متصف ہوجاتی ہے۔حق تعالیٰ کے لئےاپنے غیرسےصفتِ کمال کا استفادہ کرنامحال ہے۔اس کا بذاتِ خود صفاتِ کمال کےساتھ متصف ہونا محال نہیں ہے۔اگرچہ وہ صفت ذات کا غیر ہو۔اور متکلمین کےمذہب سےدوسری شق لازم آتی ہےپہلی شق لازم نہیں آتی۔حق تعالیٰ اپنی ذات اورصفات میں بالکل یگانہ ہے۔اس کی ذات اورصفات،مخلوقات کی ذات اورصفات سےقطعاً مختلف ہیں اور کسی طرح بھی ان سےکوئی مناسبت نہیں رکھتیں۔لہٰذا حق سبحانہ "مثل" سےیعنی مماثل موافق سےبھی منزہ وپاک ہے۔اور "ند" یعنی مماثل مخالف سےبھی۔حق تعالیٰ شانہ کےمعبود ہونے،صانع ہونےاورواجب ہونےمیں کوئی اس کا شریک نہیں ہے۔

صفت کلام

ان کے نزدیک کلامِ لفظی حادث ہےاوردال ہےکلامِ نفسی پرجوکہ قدیم ہےاوراس کا مدلول ہے۔نیز کلامِ لفظی سےمراد وہ کلام ہےجوحروف واصواتِ مرتبہ سےمرکب ہے۔اس کلام کی نسبت حق تعالیٰ کےساتھ اس نسبت کی مانند

نہیں جو کلام کو متکلم کے ساتھ ہوتی ہے بلکہ اس نسبت کی طرح ہے جو مخلوق کو خالق کے ساتھ ہوتی ہے۔لہٰذا کلام کی دونوں قسمیں حقیقت میں کلام حق جل وعلا ہیں۔[29]

کلامِ نفسی سے مراد کلام بسیط اور صفت ِ قدیم ہے جو حروف واصوات سے پاک ہے امر و نہی اور اخبار وغیرہ کی طرف تقسیم ً نہیں ہوتا اور اس کا تعلق ماضی، حال اِستقبال کے ساتھ تعلقات اور اضافات کی بناء پر ہوتا ہے جیسے کہ علم، قدرت اور تمام صفات۔جیسا کہ علامہ تفتازانی علیہ الرحمہ رقمطراز ہیں:

الْقُرْاٰنُ كَلَامُ اللّٰهِ تَعَالٰى غَيْرُ مَخْلُوْقٍ وَهِيَ صِفَةٌ قَدِيْمَةٌ مُنَافِيَةٌ لِلسُّكُوْتِ وَالْاٰفَةِ لَيْسَتْ مِنْ جِنْسِ الْحُرُوْفِ وَالْاَصْوَاتِ لَاتَخْتَلِفُ اِلَى الْاَمْرِ وَالنَّهْيِ وَالْاِخْبَارِ وَلَاتَتَعَلَّقُ بِالْمَاضِيْ وَالْحَالِ وَالْاِسْتِقْبَالِ اِلَّا بِحَسْبِ التَّعَلُّقَاتِ وَالْاِضَافَاتِ كَالْعِلْمِ وَالْقُدْرَةِ[30]

"قرآن مجید کلام اللہ ہے جو کہ غیر مخلوق ہے اور وہ صفت قدیمہ ہے جو کہ سکوت کے منافی ہے جو حروف واصوات سے پاک ہے، امر و نہی اور اخبار وغیرہ کی طرف تقسیم نہیں ہوتا اور اس کا تعلق ماضی، حال اِستقبال کے ساتھ تعلقات اور اضافات کی بناء پر ہوتا ہے جیسے کہ علم، قدرت اور تمام صفات۔"

اسی طرح شرح فقہ اکبر میں ہے:

وَالْقُرْاٰنُ كَلَامُ اللّٰهِ تَعَالٰى فِي الْمَصَاحِفِ مَكْتُوْبٌ وَفِي الْقُلُوْبِ مَحْفُوْظٌ وَعَلَى الْاَلْسُنِ مَقْرُوْءٌ وَعَلَى النَّبِيِّ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ مُنَزَّلٌ وَلَفْظُنَا بِالْقُرْاٰنِ مَخْلُوْقٌ وَكِتَابَتُنَا لَهٗ مَخْلُوْقَةٌ وَقِرَاءَتُنَا لَهٗ مَخْلُوْقَةٌ وَالْقُرْاٰنُ غَيْرُ مَخْلُوْقٍ، وَمَا ذَكَرَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى فِي الْقُرْاٰنِ حِكَايَةً عَنْ مُوْسٰى وَغَيْرِهٖ مِنَ الْاَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ وَعَنْ فِرْعَوْنَ وَاِبْلِيْسَ فَاِنَّ ذٰلِكَ كُلَّهٗ كَلَامُ اللّٰهِ تَعَالٰى اِخْبَارًا عَنْهُمْ وَكَلَامُ اللّٰهِ تَعَالٰى غَيْرُ مَخْلُوْقٍ وَكَلَامُ مُوْسٰى وَغَيْرِهٖ مِنَ الْمَخْلُوْقِيْنَ مَخْلُوْقٌ وَالْقُرْاٰنُ كَلَامُ اللّٰهِ تَعَالٰى فَهُوَ قَدِيْمٌ لَا كَلَامُهُمْ وَسَمِعَ مُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ كَلَامَ اللّٰهِ تَعَالٰى كَمَا فِيْ قَوْلِهٖ تَعَالٰى (وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا) وَقَدْ كَانَ اللّٰهُ تَعَالٰى مُتَكَلِّمًا وَلَمْ يَكُنْ كَلَّمَ مُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ[31]

"اور قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اوراق پہ مرقوم ہے اور دلوں میں محفوظ ہے، زبانوں پہ جاری ہے اور نبی اکرم ﷺ پر نازل کیا گیا ہے، ہماری زبانوں سے نکلنے والے قرآن کے الفاظ، کتابت اور قرأت مخلوق ہیں اور قرآن غیر مخلوق ہے۔جو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام اور دیگر انبیاء کرام کے قصص اور فرعون وابلیس لعین کے متعلق بیان کیا ہے تو یہ سارے کا سارا کلام اللہ ہے اور غیر مخلوق ہے اور کلام موسیٰ اور دیگر مخلوق کا کلام بھی مخلوق ہے۔قرآن اللہ کا کلام ہے قدیم ہے ان یعنی مخلوقات کا کلام نہیں ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کلام الٰہی سنا اور اس کا متکلم خود خدا تھا نہ کہ موسیٰ علیہ السلام۔"

حاشیہ عقائد تورپشتی میں کلام کے متعلق ہے:

قاضی شہاب الدین گفتہ کہ کلام حق تعالیٰ بہ نزدیک امام الوریٰ علم الہدیٰ شیخ ابو منصور ماتریدی غیر مسموع است کہ محال است سماع آنچہ آواز ندارد وکلیم اللہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام آواز دال شنید نہ کلام وخاص شد بہ ایں نام از جہت ناوساطت ملک وکتاب ہم چنیں جبرئیل علیہ السلام نیز آواز دال شنید نہ کلام خدائے تعالیٰ[32]

"حضرت قاضی شہاب الدین نے کہا کہ حق تعالیٰ کا کلام امام الوریٰ علم الہدیٰ شیخ ابو منصور ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ

کے نزدیک غیر مسموع ہے کہ اس کا سماع محال ہے کیونکہ وہ کلام الٰہی آواز نہیں رکھتا۔حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام نے کلام الٰہی پر دلالت کرنے والی آواز سنی تھی کلام الٰہی نہیں سنا تھا وہ کلیم اللہ کے لقب سے اس لئے خاص ہوگئے کہ انہوں نے وہ آواز فرشتہ اور کتاب کے واسطہ کے بغیر سنی تھی۔ایسے ہی حضرت جبریل علیہ السلام نے بھی آواز (صوتِ دالہ) سنی تھی نہ کہ خداتعالیٰ کا کلام سنا تھا۔"

حضرت امام ربانی ارشاد فرماتے ہیں:حضرت موسیٰ علیہ السلام نے شجرہ مبارکہ سے جو کلام الٰہی سنا تھا اس کلام کو حق تعالیٰ جل سلطانہ کے ساتھ وہی نسبت تھی جو مخلوق کو اپنے خالق کے ساتھ ہوتی ہے نہ کہ وہ نسبت جو کلام کو اپنے متکلم کے ساتھ ہوتی ہے ایسے وہ کلام جو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حق تعالیٰ سے سنا اس کلام کی بھی وہی نسبت تھی جو مخلوق کو اپنے خالق کے ساتھ ہے۔[33]

حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز رقمطراز ہیں:

تکوین یکے از صفاتِ حقیقیہ واجب الوجود است تعالیٰ وتقدس اشاعرہ تکوین را از صفاتِ اضافیہ میدانند وقدرت وارادہ را در ایجاد عالم کافی می انگارند اما حق آنست کہ تکوین صفت حقیقیہ علیحدہ است ماورائے قدرت وارادہ[34]

"تکوین واجب الوجود تعالیٰ و تقدس کی صفاتِ حقیقیہ میں سے ایک صفت ہے اشاعرہ تکوین کو صفات اضافیہ میں سے جانتے ہیں اور قدرت وارادہ کو ایجادِ عالم کے لئے کافی خیال کرتے ہیں لیکن حق یہ ہے کہ تکوین،قدرت وارادہ کے علاوہ ایک علیحدہ صفت حقیقی ہے۔"

حضرت امام ربانیؒ ایک مقام پر صفت تکوین کے متعلق یوں رقمطراز ہیں:تکوین،قدرت کے علاوہ ایک صفت ہے کیونکہ صفت قدرت میں صحت فعل اور ترک فعل دونوں جائز ہیں اور تکوین میں فعل کی جانب متعین ہے نیز قدرت،صفت ارادہ پر تقدم رکھتی ہے اور تکوین،ارادہ کے بعد ہے۔یہ تکوین بندہ کی استطاعت کے مشابہ ہے جسے علمائے اہل حق فعل بندہ کے ساتھ مقرون ومتصل قرار دیتے ہیں اور اسے صفت قدرت اور صفت ارادہ سے وراء جانتے ہیں کیونکہ قدرت،فعل اور ترک فعل دونوں کی تصحیح کرنے والی ہے اور صفت ارادہ ایک طرف کو ترجیح دیتی ہے اور ایجاد ترجیح ارادہ کے بعد تکوین سے تعلق رکھتا ہے۔اگر صفت قدرت کا اثبات نہ کیا جائے جو طرفین (فعل اور ترک فعل) کی تصحیح کرنے والی ہے تو حق تعالیٰ پر ایجاب لازم آتا ہے اور اگر صفت تکوین کا اثبات نہ کیا جائے تو ایجاد غیر مستند ہو جاتی ہے کیونکہ قدرت مصحّح ایجاد ہے اور تکوین ایجاد سے ملحق ہے۔لہٰذا اثباتِ تکوین کے بغیر چارہ نہیں جس کی طرف علمائے ماتریدیہ کو ہدایت حاصل ہوئی ہے اور اشاعرہ نے جب اس کی نسبت وتعلق کو بیش تر اشیاء سے پایا تو اسے صفات اضافیہ سے شمار کر لیا" **واللّٰہ یحق الحقَ وھو یھدی السبیل تخلیق،ترزیق،اِحیاء،اِماتت**"اوران کی مثل صفات کو تکوین کی طرف راجح کرنا بہتر ہے۔[35]

آپ نے خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ورسالت کے اثبات میں بڑی مدلل اور سیر حاصل گفتگو فرمائی ہے اور فلاسفہ کے اجماعات کے دلائل سے ہی ان کے اعتراضات کا رد فرمایا ہے۔آپ فرماتے ہیں:

اعلم ان من الامور مالھا خواص لا یدور بصر العقل حوالیھا اصلا بل یکاد العقل یکذبھا ویقضی استحالھا[36]

"بعض امور کے ایسے خواص ہوتے ہیں کہ نگاہِ عقل اس کے حوالی کا ہرگز احاطہ نہیں کر سکتی، ہو سکتا ہے کہ عقل ان کے کذب پر حکم لگادے اور ان کو محال سمجھے"۔

آپ نے ان امور کے امکان بلکہ ان کے اثبات و وجود پر دلائل قائم فرمائے اور ثابت کیا کہ ایسے امور واقعتا موجود ہیں جو کبھی انسان کی عقل میں نہیں آتے مگر وہ لازماً موجود ہوتے ہیں اور اس کی مثال افیون کی تبرید یا علم نجوم میں مختلف تمثیلات ہیں۔ چنانچہ ان حقائق کو بیان کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں:

فلیت شعری من یسمع عقله بقبول هذه البدائع ویضطر الی الاعتراف بانها خواص معرفتها معجزة بعض الانبیاء کیف ینکر مثل ذالک فیما یسمعه من قول نبی صادق مؤید بالمعجزات لم یصرف قط بالکذب و الم لا یسع الامکان لهذه الخواص فی اعداد الرکعات و رمی الجمار و عدد ارکان الحج و سائر تعبداک الشرع و لم نجد بینها و بین خواص الادوریه و النعوم اصلا[37]

"کاش میں جان سکتا کہ جن لوگوں کی عقلیں ان حیرت ناک ہاتھوں کو مان لیتی ہیں اور وہ اس اعتراض پر مجبور نظر آتے ہیں کہ یہ ایسے خواص ہیں جن کی معرفت بعض انبیاء کا معجزہ ہے تو پھر اس قسم کی باتوں کا انکار کیسے کر سکتے ہیں جو ایک نبی صادق سے سنی گئی ہیں اور ان کی تائید معجزات سے کی گئی ہے اور ان کا کذب کبھی معلوم نہیں ہو سکتا اور تعداد رکعات میں، رمی جمار میں، تعداد ارکان حج اور دیگر عبادات شرعیہ میں ان خواص کا امکان کیوں ان کی عقل میں نہیں سماتا، حالانکہ ہم ان میں اور ادویات و نجوم کے خواص میں کوئی فرق نہیں دیکھتے۔"

اسی طرح آپ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے صدق کے علم ضروری کے حصول کا عقلی و علمی طریقہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وهذا هو منهاج تحصیل العلم الضروری بصدق النبی صلی الله تعالیٰ علیه وعلی واله واصحابه وبارک وسلم فجرب وتأمل القرآن وطالع الاخبار تصرف ذالک بالعیان کذا ذکره الامام الغزالی رحمه الله علیه تعالیٰ[38]

"حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صدق کے علم ضروری کے حصول کا یہی طریقہ ہے کہ تم قرآن پاک پر غور کرو، اخبار و احادیث کا مطالعہ کرو تو تمہیں ان کا صدق ظاہراً معلوم ہو جائے گا۔ جیسا کہ حضرت امام غزالی علیہ الرحمہ نے بھی بیان فرمایا ہے۔"

پھر امام ربانی اس بات کو مزید واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

فان وقع لک الشک فی شخص معین انه نبی ام لا فلا یحصل الیقین الا بمعرفة احواله اما بالمشاهدة او بالتواتر و التسامع فانک اذا عرفت الطب او الفقه یمکنک ان تعرف الفقهاء و الاطباء بمشاهدة احوالهم و سماع اقوالهم و ان لم تشاهدهم فلا تعجز عن معرفة کون الشافعی فقیها و کون جالینوس طبیبا معرفة بالحقیقة لا بالتقلید بل بان تتعلم شیئا من الطب و الفقه و تطالع کتبهما و تصانیفهما فیحصل لک علم ضروری بحالهما فکذالک اذا فهمت معنی النبوة فاکثر النظر فی القرآن و الاخبار یحصل لک العلم الضروری بکونه صلی الله تعالیٰ علیه وآله وسلم علی اعلی درجات النبوة و اعضد ذالک بتجربة ما قاله فی العبادات و تاثیرها فی تصفیة القلوب[39]

"اگر تم کو کسی شخص معین کی نبوت میں شک ہو تو تمہیں اس کا یقین صرف اسی طرح حاصل ہوگا کہ تم اس

کے احوال کا علم مشاہدہ سے یا تواتر سے یا ایک دوسرے سے حاصل کرو : کیونکہ جب تم نے طب وفقہ کو جان لیا تو تمہارے لئے ممکن ہے کہ تم اطباء اور فقہاء کو بھی ان کے احوال کا مشاہدہ کرکے اور عدم مشاہدہ کی صورت میں اقوال کو سن کے پہچان سکتے ہو اور یہ معرفت حقیقی ہے تقلیدی نہیں اور تمہیں ان کے احوال کا علم ضروری حاصل ہوگا۔ایسے ہی اگر تم نے نبوت کے معنی سمجھ لئے تو قرآن واحادیث پر خوب غور کرو گے تو تمہیں اس وقت اس بات کا علم ضروری حاصل ہوجائے گا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نبوت کے اعلیٰ مقام پر فائز ہیں اور اس بات کی تائید اس کے تجربے سے بھی حاصل ہوتی ہے۔جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبادات اور تصفیہ قلب میں ان عبادات کی تاثیر کے متعلق بیان فرمائی ہیں۔"

اس مختصر مقالے میں بطور نمونہ یہ چند مسائل ذکر کردیئے ہیں لیکن حضرت مجدد علیہ رحمہ نے اپنی معرکۃ الآراء تصانیف میں بے شمار کلامی مسائل پر مفصل بحثیں کی ہیں جیساکہ ردروافض (اس مسئلے پر آپ نے اسی عنوان سے ایک مستقل رسالہ لکھا ہے) قدرت وارادہ، مشاجرت صحابہ، معجزہ کی حقیقت، حقیقت ایمان، حقیقت قرآن، حقیقت کعبہ، حقیقت محمدیہ، قضاوقدر، اثبات النبوۃ (اس موضوع پر بھی آپ نے ایک مستقل رسالہ تصنیف فرمایا ہے) صحابیت وافضلیت حضرت سیدنا صدیق اکبر، اسم ذات لفظ اللہ کی تحقیق، کلمہ طیبہ کی تحقیق علم کلام کے انداز میں (اس مسئلہ پر آپ نے رسالہ تہلیلیہ تحریر فرمایا) اس کے علاوہ وجود ممکنات، حقیقت کائنات، تشبیہ وتنزیہہ، ذات حق میں یقین کے مراتب، ملائکہ کی حقیقت، انسان کا فرشتوں سے افضل ہونا، حقیقت موت، افضیلت نبوت علی الولایت، ہندوؤں کے بھگوان اور ذوات انبیاء، حقیقت معاد، عالم امر اور عالم خلق، افعال باری تعالی اور صفات باری تعالیٰ وغیرہ۔جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ علم کلام میں ایک بلند مقام رکھتے ہیں اور آپ کی فکر اس شعبے میں ایک خاص مقام ومرتبہ رکھتی ہے بلکہ بلاشبہ آپ اس فن کے امام اور مجتہد ہیں۔

حواشی وحوالہ جات

1۔ ابوداؤد، سلیمان بن اشعث سجستانی(م275ھ)، **سنن ابی داود**، دار الکتاب العربی، بیروت، باب مایذکر فی قرن المائۃ، رقم4293۔

2۔ ندوی، ابوالحسن علی، **تاریخ دعوت وعزیمت**، مجلس نشریات اسلامی، کراچی، ج4ص24-51۔

3۔ نعمانی، محمد منظور، مولانا، **تذکرہ مجدد الف ثانی**، دار الاشاعت، کراچی، 1977ء، ص139۔

4۔ کشمی، محمد ہاشم، **زبدۃ المقامات**، مطبوعہ نولکشور، لکھنؤ، 1890ئ، ص92۔93 ، خواجہ، مجددی، محمد احسان، روضۃ القیومیۃ، مکتبہ نبویہ لاہور، 2002ء، ص127۔129 ۔

5۔ خواجہ، مجددی، محمد احسان، **روضۃ القیومیۃ**، ج1 ، ص123۔124 ، کشمی، محمد ہاشم، زبدۃ المقامات، ص133۔

6۔ مجدد الف ثانیؒ، احمد سرہندی، **مکتوبات امام ربانی**، مطبوعہ ادارہ مجددیہ کراچی 1993ء، دفتر سوم، مکتوب 87۔

7۔ خواجہ، مجددی، محمد احسان، **روضۃ القیومیۃ**، ج1 ' ص126۔

8۔ مجدد الف ثانی، احمد سرہندی، **مبدا و معاد**، ادارہ مجددیہ، کراچی 1965ء، منھا5، ص17۔

9۔ مجدد الف ثانی، احمد سرہندی، **مبدا و معاد**، ص73۔

10۔ ایضاً، ص54۔

11۔ مجدد الف ثانیؒ، احمد سرہندی، **مکتوبات امام ربانی**، دفتر اول، مکتوب 16 (یادرہے کہ رسالہ کثیر البرکات سے مراد دفتر اول کا مکتوب نمبر266 ہے۔ جو مسائل علم الکلام کا ایک شاندار مجموعہ ہے)۔

12۔ الاسراء، 17:15۔

13۔ المائدۃ، 5:72۔

14۔ مجددی، محمد سعید احمد، **سرمایہ ملت کا نگہبان**، تنظیم الاسلام پبلیکیشنز، گوجرانوالہ، ص173۔

15۔ مجدد الف ثانیؒ، احمد سرہندی، **مکتوبات امام ربانی**، دفتر اول، مکتوب 259۔

16۔ مجددی، محمد سعید احمد، **البینات شرح مکتوبات**، تنظیم الاسلام پبلیکیشنز، گوجرانوالہ، ج1ص99۔

17۔ مجدد الف ثانیؒ، احمد سرہندی، **مکتوبات امام ربانی**، دفتر اول، مکتوب 13، ص28۔

18۔ **البینات شرح مکتوبات**، ج1، ص436 ، مجدد الف ثانی، احمد سرہندی، رسالہ تہلیلیہ، ادارہ مجددیہ کراچی، ص13۔

19۔ مجدد الف ثانیؒ، احمد سرہندی، **مکتوبات امام ربانی**، دفتر اول، مکتوب 11ص24۔

20۔ مجددی، محمد سعید احمد، **البینات شرح مکتوبات**، ج1ص75۔

21۔ مجدد الف ثانیؒ، احمد سرہندی، **مکتوبات امام ربانی**، دفتر اول، مکتوب 43ص114۔

22۔ مجددی، محمد سعید احمد، **البینات شرح مکتوبات**، ج1ص77۔

23۔ مجدد الف ثانیؒ، احمد سرہندی، **مکتوبات امام ربانی**، دفتر اول، مکتوب 43ص114۔

24۔ مجددی، محمد سعید احمد، **البینات شرح مکتوبات**، 323۔

25۔ تورپشتی، ابوعبداللہ فضل اللہ، **المعتمد فی المعتقد**، مکتبہ مظہر العجائب، مدراس، 1286ھ، ص43۔

26۔ مجدد الف ثانیؒ، احمد سرہندی، **مکتوبات امام ربانی**، دفتر دوم، مکتوب 17۔

27۔ ایضاً، دفتر دوم، مکتوب 26۔

28۔ ایضاً، دفتر 2 مکتوب 2 ، مجددی، محمد سعید احمد، سعادت العباد، ج2ص468۔

29۔ جیسا کہ حضرت امام ربانی قدس سرہ' نے دفتر اول، مکتوب266۔273میں صراحت فرمائی ہے۔

30۔ تفتازانی، سعد الدین، **التوضیح والتلویح**، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، ص72 ، مجددی، محمد سعید احمد، البینات شرح مکتوبات، ج1ص225۔

31۔ ابو المنتہیٰ، شیخ، **شرح فقہ اکبر**، ص8-11

32۔ تورپشتی، ابو عبد اللہ فضل اللہ، **المعتمد فی المعتقد**، 31۔

33۔ مجدد الف ثانیؒ، احمد سرہندی، **مکتوبات امام ربانی**، دفتر اول، مکتوب 272۔

34۔ مجدد الف ثانی، احمد سرہندی، **مبداو معاد**، منہا41۔

35۔ مجدد الف ثانیؒ، احمد سرہندی، **مکتوبات امام ربانی**، دفتر سوم، مکتوب 26 ، مجددی، محمد سعید احمد، السعادت العباد، جلد2ص- 292۔

36۔ مجدد الف ثانی، **اثبات النبوۃ**، ادارہ مجددیہ، کراچی، ص36۔

37۔ ایضاً، ص38۔

38۔ ایضاً، ص40۔

39۔ ایضاً، ص40۔